ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ
سینئر ماہر مضمون اُردو (ر) بلوچ اوطاق
۶۲۸۔اللہ آباد کالونی ڈیرہ غازی خان

فیض بخشا پوری فکر وفن خُمخانۂ فیض کے تناظر میں[۱]

This Article throws light on the life and poetry of famous Baloch poet: Faiz Bakhsha Puri (1926 - 14 May 1992), resident of: Bakhsha Pur, near Kashmore, Sindh Pakistan; who composed his four poetical works: "Shola e Ishq" (18 January 1958), "Khumkhana e Faiz" (05 May 1967), "Ganjina e Faiz" (January 1981) and "Sar Chashma e Faiz" (July 1989); all later published in one volume as "Kuliat e Faiz" in 2010. The unique poetry of Faiz Bakhsha Puri is in five languages: Sindhi, Urdu, Persian, Balochi and Jatki. Keeping in view of his distinguished poetry, he was awarded the title of "Ghalib e Sindh", on the good name of top class classic Urdu Poet: Mirza Asad u Allah Khan "Ghalib" of Delhi (27 December 1797 - 15 February 1869) and later awarded "Presidential Award" by the Government of Pakistan. This article briefly analysis the poetry of Faiz Bakhsha Puri in the context of his famous book: "Khumkhana e Faiz" (Tavern of Faiz)..

اللہ کریم نے انسان کو احسن انداز میں خلق کیا۔اسے شعر گوئی کی صلاحیت سے بھی نوازا ۔فیض بخشا پوری بھی شعر کے ہنر سے نوازے گئے تھے۔شاعری میں شاعر نادر خیالات پیش کرتا ہے ۔شہرہ آفاق شاعر مرزا غالب نے ایک رمز کی بات باتمثیل کہی کہ:

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے [۲]

گویا مکین اور مکان کی باہمی نسبت دونوں کو شرف مند بناتی ہے۔ جیسے صحرا مجنوں سے شرف مند ہوا۔بہت سے شعرا نے اپنے اسماء کے ساتھ اپنے شہر یا وطن کا نام، جزو بنایا۔یوں ان کے نام کے ساتھ شہر یا وطن کو بھی شہرت کی شرف مندی حاصل ہوئی،جیسے : سعدی شیرازیؒ،حافظ شیرازیؒ،نظیری نیشاپوری، ناطق مکرانیؒ،ولی دکنیؒ ،داغ دہلویؒ ، نظیر اکبر آبادیؒ، اکبر الہ آبادیؒ اور حُرم بہاول پوریؒ معروف ہیں۔فیض اللہ خان نے بھی خود کو روایتِ قدماء سے جوڑتے ہوئے اپنے قصبہ ''بخشا پور'' کو حصۂ نام بنا کر اسے شرفِ شہرت سے ہم کنار کیا اور خود بھی فیض بخشا پوری نام ور ہوئے۔

فیض بخشاپوری (فیض اللہ خان بن مِصری خان بن سخی نبی بخش خان بن دِل مُراد خان :مدفون لاہڑی بلوچستان) کا تعلق بلوچوں کے معروف قبیلہ رِند ڈومبکی سے ہے جو ۱۹۲۶ء میں کوہستانِ بلوچستان کے مشرقی دامن کے قریب قصبہ بخشاپور نزد کشمور سندھ میں پیدا ہوئے ۔۱۴مئی ۱۹۹۲ء کو اس بستاں سرائے عالم رنگ و بو سے کوچ کیا اور اسی قصبے میں ہی لحد آغوش کیے گئے ۔فیض بخشاپوری کی ۶۶ سالہ حیات کو علمی و ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو اُن کی شخصیت اور شناخت کی دو خوبیاں نمایاں ملتی ہیں۔ایک تو ان کی شاعری ہے اور دوسری ان کی صحافت ۔اوائل عمر میں انہوں نے سندھی زبان کی چند جماعتیں پڑھ کر ترک مدرسہ کیا پھر مقامی بلوچ قبائلی ماحول کے تناظر میں شکار و شہ سواری کے شائق رہے۔لیکن جسمانی نمو و پرداخت کی نسبت، ذہنی تربیت کی طرف زیادہ راغب ہوئے۔انہوں نے مختلف ایشیائی السنہ: بلوچی، سندھی، اُردو، فارسی اور جاٹکی کے کلاسیک شعراء: جام دُرحق ڈومبکی ، پہلوان فقیر ڈومبکی ،غم دل فقیر، توکلیؒ مست مری، شاہ عبداللطیفؒ بھٹائی، سچلؒ سرمست، فردوسی، رودکی، خاقانی، قآنی، سعدی، انوری، جامی، گرامی ، حافظ، رومی، عرفی ،فیضی، امیر خسرو، غالب، ذوق، میر تقی میر، سودا، مومن، درد، آتش، ناسخ، انشا ،داغ، حالی، اکبر، اقبال، بیدم وارثی، خواجہ غلام فریدؒ اور دیگر کے کلام کا مستغرق مطالعہ کیا۔[۳]

مطالعہ نے ان کی ذہنی سطح کو فنِ شعر و ادراک کے معراج پر پہنچایا اور پھر وہ خود سخن گوئی کے میدان میں ایک قادرالکلام شاعر کی حیثیت سے اترے۔آغاز میں انہوں نے اپنا کچھ کلام، اسد ملتانی کے پاس برائے اصلاح ارسال کیا مگر اسد ملتانی نے فرمایا کہ: آپ نے اصلاح کی کوئی گنجائش چھوڑی ہی نہیں کہ اصلاح کی جائے۔تب فیض بخشاپوری، شعری سفر میں، سندھ اور بلوچستان کے روایتی مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔دورانِ قیام بلوچستان وہاں کے ادباء و شعرا سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔کوئٹہ میں کئی مشاعرے ان کے زیرِ صدرات ہوئے۔ مستونگ بلوچستان میلہ میں ریڈیو پاکستان کے زیر اہتمام مشاعرہ میں شریک ہوئے۔[۴]

فیض بخشاپوری، جیکب آباد شہر میں ''بزم ادب'' کے نائب صدر نیز ''جیکب آباد ادبی بورڈ'' کے صدر رہے۔۱۹۵۶ء میں انہوں نے وہاں سے اپنا ہفت روزہ اخبار ''مساوات'' جاری کیا جو طویل عرصے تک شائع ہوتا رہا۔اس میں ان کی غزلیں آب و تاب سے شائع ہوتی رہیں۔۱۹۵۸ء میں انہوں نے سندھی زبان میں اپنا اولیں مجموعۂ کلام ''شعلۂ عشق'' شائع کیا۔بعد میں ''خمخانۂ فیض''، ''گنجینۂ فیض'' اور ''سرچشمۂ فیض'' جیسے سندھی اُردو مجموعہ ہائے کلام شائع کرائے[۵]۔وہ شعر و سخن کی آب یاری اس مایہ ناز انداز سے کرتے رہے کہ ۱۹۶۲ء میں ادب نوازی پر حکومتِ پاکستان نے ان کا سو روپے ماہانہ اعزازیہ مقرر کیا جو ۱۹۶۷ء تک جاری رہا۔فیض بخشاپوری کے جہانِ خیال کا دائرہ، ان کے علم و مطالعہ کی طرح بسیط ہے جہاں فکر و نظر کے رنگا رنگ گلستان سجے نظر آتے ہیں۔وہ بلوچی شاعری کی سرحدوں سے ماورا، زیادہ تر سندھی، اُردو، فارسی اور جاٹکی زبانوں میں اعلیٰ معیار کی سخن سنجی کرتے رہے۔ان کا متنوع کلام اس قدر شان دار ہے کہ :

پاکستانی ادبیات کا تذکرہ، بغیران کے تذکرہ کے خام ہے۔فکری وفنی اعتبار سے ان کا کلام دل کش ومنفرد محاسن کا حامل ہے جو تشبیہات، استعارات، تلمیحات، محاکات، محاورات، مضمون آفرینی، حسن ِبیان، ندرتِ الفاظ ، فصاحت وبلاغت، سلاست وملاحت، حسن معانی، جدتِ اصطلاحات، قدرتِ زبان، شیرینی و تاثیر، سوز وغم، تغزل، بدیع وبیان ،لطف وراحت کی گونا گوں خوبیوں سے مزین ہے۔ان کے کئی اشعار سہل ممتنع کا مظہر بھی ہیں۔ان فکری وفنی ریاضتوں کے موجب انہیں پاکستان کی سطح پر ''غالبِ سندھ'' کے یادگار خطاب[۶] اور بعدۂ ''صدارتی ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔

۱۹۶۷ء میں شائع کردہ فیض بخشاپوری کے مجموعۂ کلام ''خمخانۂ فیض'' پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ سندھی اور اُردو مجموعۂ کلام نظر آتا ہے جس کا اولیں ۱۱۳ صفحاتی حصہ سندھی ہے۔آغاز میں پیش لفظ بہ عنوان ''طلوعِ سحر'' بہ زبان سندھی، صاحبِ کلام کا خود نوشتہ ہے۔بعدۂ مقدمہ از حافظ خیر محمد اوحدی بھی سندھی زبان میں مرقوم ہے۔ان کے سندھی کلام میں غزلیات نظمیں اور ایک قصیدہ شامل ہے۔اولیں غزل، حمدیہ ہے۔دیگر نظمیں بھی ہیتِ غزل میں ہیں۔نظموں میں: جلسائی کلام (مشاعرہ)، سیاست، دہقانی، عید، مساوات، آزادی، گنج کیمیا، سچلؒ، حضرت امام حسینؓ کی منقبت، حضرت محمدؐ کے نعتیہ اشعار پیش کیے گئے۔اس مجموعہ کلام میں فیض بخشاپوری پُر جوش شاعر نظر آتے ہیں۔اس میں اگر چہ وہ اپنے سابقہ سندھی مجموعۂ کلام کی طرح، سندھی زُبان دوست شاعر کی حیثیت سے ملتے ہیں کہ انہوں نے اس میں اپنا سندھی کلام مقدم رکھا اور اپنی بیش تر فارسی اولیں حمدیہ غزل کو سندھی لکھا۔اس غزل پر اگر نظر کی جائے تو اس میں کُل ۱۲، اشعار اور ۱۹۲، الفاظ ملتے ہیں جن میں ۱۸۳، الفاظ فارسی، سات سندھی اور دو بلوچی کے ہیں۔اگر ان کی اس غزل سے حفیظ جالندھری کے'' قومی ترانہ'' کی طرح چند سندھی الفاظ، اُردو میں بدل دیے جائیں تو غزل اُردو اور فارسی کی بن جاتی ہے۔تاہم مجموعۂ کلام کے حصہ دوم میں بعد از سندھی کلام انہوں نے ''شعلۂ عشق'' کے برعکس، اُردو کلام شامل کیا جو صفحہ ۱۱۵ تا ۱۵۹ بہ قدر ۴۴ صفحات محیط ہے۔اُردو کلام اگر چہ بہ لحاظِ کمیت سندھی کلام سے کم ہے لیکن شاعر کا بہ ذات خود، سندھی شاعری سے پیش رفت کر کے، اُردو شاعری کی طرف راغب ہونا ان کے فکری ارتقا اور سخن طرازی میں ایک اہم تبدیلی ہے جو سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اُردو بہرہ میں ۳۰ غزلیات صفحہ: ۱۱۶ تا ۱۵۲ نیز چار نظمیں صفحہ: ۱۵۴ تا ۱۵۹ پیش کردہ ہیں۔ان نظموں میں سے تین بہ ہیتِ غزل نوشتہ ہیں جو بلا عنوان ہیں۔اولیں نظم کوئٹہ شہر کا قصیدہ ہے۔دوسری، وطن کے بارے؛ تیسری ''غلام محمد'' کا سہرا ؛جب کہ آخری نعت نبوی ﷺ ہے جس کو ''صلوعلیہ وآلہٖ'' کا عنوان دیا گیا۔گویا بلوچی شعری روایت میں مجموعۂ کلام کا آغاز حمد سے اور اختتام نعت پر کیا گیا۔بلوچ قوم میں ڈومبکی قبیلہ ''بلوچی دفتر'' (بلوچ تاریخ) کا امین تصور ہوتا ہے[۷] جب کہ ڈومبکی قبیلے کے مجموعی کردار کے بارے بلوچی ضرب المثل ہے کہ:

ڈومبکی تھنگو عیں سرتاج عیں بلوچ عان ع[۸]

(ڈومبکی قبیلہ، بلوچ قبائل کا سنہری سرتاج ہے۔)

کلاسیک بلوچی شاعری میں ڈومبکی قبیلے کے شعرا کا اس انداز میں ذکر ملتا ہے کہ:

ڈومبکی گُفت آرعاں مظ عیں مَرّعس بعض شے سوحر و تھنگوعاں شرّعس [۹]

(ڈومبکی، کلام وشاعری میں بے مثل ہیں جو سونے اور چاندی سے خوب تر ہیں۔)

فیض بخشاپوری، بلوچی زبان کے شیریں کلام شاعر ملک الشعرا جام دُرحق ڈومبکی کے قبیلے سے ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کے بارے میں کہا تھا کہ:

گال عوں گوش عت عغ عس دُر عوں سُپت عغ عس [۱۰]

(میں نے شعر کہے، میں نے موتی پروئے۔)

فیض بخشاپوری کو ان امتیازات کا احساس تھا اس لیے وہ اپنے بارے میں زندہ دلی سے کہتے ہیں کہ:

صاحبو ! یہ چراغِ محفل ہے ''فیض'' صاحب کا احترام کرو [۱۱]

بہ قول فیض بخشاپوری، اُن پر اشعار کا نزول ہوتا:

فلک پر منزلیں ہیں میرے پروازِ تخیّل کی مضامیں عرش سے نوخیز ہر دم لائے جاتے ہیں [۱۲]

انہوں نے جام دُرحق ڈومبکی کی طرح فرمایا کہ:

ٹپکتے ہیں میرے صدفِ نگہ سے دُرِّ ناسُفتہ وہ ہوتا کیمیا گر تو شناسِ کیمیا ہوتا [۱۳]

''خُمخانۂ فیض'' کے تناظر میں فنی وفکری حوالے سے فیض بخشاپوری کی شاعری رنگا رنگ جہتوں کا نگارخانہ ہے۔ انہوں نے جن کلاسیک شعرا کا وسیع مطالعہ کیا، وہ ان سے متاثر بھی ہوئے اور ان کی فکری وفنی خوشہ چینی کی۔ خوشہ چینی شعرا واد با میں معیوب نہیں۔ معیوب اس صورت میں ہے جب پست سطح کی نقالی کی جائے اور یہ نکتہ، زیرک فیض بخشاپوری کے پیش نظر رہا۔ اس لیے ان کے ہاں ماخوذ افکار کا اظہار برتر اور خوب صورت نظر آتا ہے۔ ان کے کلام میں کہیں کہیں روایتی شاعرانہ تعلّی کا اظہار بھی ملتا ہے، جیسے کہ اپنی شیریں بیانی کے بارے فرماتے ہیں:

شہد و شِیر و شراب کان خوشتر ''فیض'' جیی گفتگو سبحان اللہ ص:۶۱ [۱۴]

(شہد وشِیر وشراب سے خوش تر، فیض کی گفت گو سبحان اللہ!)

فیض بخشاپوری نے متعدد بڑے شعرا کا نہ صرف اپنے کلام میں ذکر کیا بل کہ مومن، داغ، اقبال اور دیگر شعرا کا اسلوب بھی ان کے اشعار میں جھلکتا ہے۔ وہ غالب، حافظ، میر اور سودا کو اپنا ہم شیوہ وہم مشرب تصور کرتے ہیں:

دیکھا ہے زمانے میں مجھ سا بھی سخن گستر ہر حرفِ غزل جس کا اِک گوہرِ یکتا ہو

ہم شیوہ و ہم مشرب، رندانِ خراباتی غالب ہوکہ حافظ ہویامیرہوسوداہو ص:۱۴۴

ایک اورجگہ خودکوعہدِ حاضرکاحافظ شیرازی اورعمرِ خیام کہتے ہیں:

صدگونہ ادب ''فیض'' خرابات نشیں کا اس دور کا یہ حافظ و خیّام ہے ساقی ص:۱۵۲

ملکہ نورجہان کے شعری تصور؛ مگراس کے برعکس فیض بخشاپوری کے خیال کاادراک کیجیے۔نورجہاں نے کہاتھا:

برمزارِ ماغریباں نئے چراغے نئے گلے نئے پرِ پروانہ سوزدنئے صدائے بلبلے [۱۵]

فیض بخشاپوری فرماتے ہیں:

ہے فیض کی تربت بگُل ولالہ چراغاں یہ کشتۂ نرگس نظراں،لالہ رُخاں ہے ص:۱۴۶

سوداکاانداز دیکھیے، جہاں سودا کہتے ہیں:

سوداؔ کے جوبالیں پہ کیا شورِ قیامت خدامِ ادب بولے، ابھی آنکھ لگی ہے [۱۶]

فیض بخشاپوری سخن سراہیں:

ذرا ٹھہر! آرام کرنے دے محشر اسی شور و شرسے جہاں چھوڑآئے

سرِ خارِ صحرا ہیں رنگیں لہو سے جنوں کے بہت ہم نشاں چھوڑآئے ص:۱۳۰

حکیم مومن خان مومنؔ نے کہاتھا:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا [۱۷]

فیض بخشاپوری بہ اندازِ مومن نواریز ہیں:

خوف ہوتا ہے سارے عالم سے جب کہ خوفِ خدا نہیں ہوتا ص:۱۲۳

فیض بخشاپوری کے اشعار بہ اندازِ غالب دیکھیے، غالب نواسنج ہیں:

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے اسدؔ لڑتے ہیں اورہاتھ میں تلواربھی نہیں [۱۸]

فیض بخشاپوری سخن آراہیں:

سادگی ان کی پہ مرجائیں نہ کیوں اہلِ وفا وہ فریب غیرکو،نامِ وفادینے لگے ص:۱۴۰

غالب فرماتے ہیں:

نہ تھا کچھ تو خداتھا،کچھ نہ ہوتاتوخداہوتا ڈبویامجھ کوہونے نے نہ ہوتامیں تو کیاہوتا [۱۹]

غالب کی زمین میں فیض بخشاپوری کے شعر،مضمون اور غنایت کا ادراک کیجیے:

نہ ہوتا تو جو پہلو میں مرے اے دل! تو کیا ہوتا

نہ کوئی آرزو ہوتی ، نہ میں درد آشنا ہوتا ص:۱۲۰

بہ اندازِ غالب، نازک خیالی کا ادراک کیجیے:

رہا شکوہ کشِ بادِ صبا ہر ذرۂ صحرا جنوں خاموش ہے مدت سے ہے ویران ویرانہ ص:۱۳۴

نورُستۂ سرِ خانہ وہ سبزۂ بیگانہ کاشانے کا کاشانہ ، ویرانے کا ویرانہ ص:۱۴۸

داغ دہلوی کا شوخیِ بیان اور پھر فیض بخشاپوری کا شوخیِ اظہار دیکھیے:

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں ایسی جنت کا کیا کرے کوئی [۲۰]

از سرِنو اے خدا! تعمیر کر کوئی جگہ یہ کروڑوں سال کی جنت پُرانی ہوگئی ص:۱۳۵

منصور حلاج نے ''انا الحق'' کہا تھا کہ میں خدا ہوں۔اُن کی طرح فیض بخشاپوری کے ہاں، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مابعد الطبیعاتی تصورات کا بے باکانہ اظہار ملتا ہے:

دوئی منظور تھی اس کو جدا جو کر دیا اس نے وگرنہ بخدا بندہ نہ ہوتا میں خدا ہوتا ص:۱۲۰

آپ ہیں صید ، آپ ہی صیاد آپ اپنا شکار کرتے ہیں ص:۱۲۶

ان کے سندھی کلام میں بھی اُردو اور فارسی اشعار شامل ہیں۔ان کے کلام میں اندازِ کنایہ اور کمال شعریت دیکھیے جن کے اس شعر کو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی:

خرمنِ ہستی جلا ڈالا مبارک پاسباں جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے! ص:۱۴۰

حبیب جالب بعدہٗ فیض بخشاپوری کی فکری خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں، جہاں فرمایا:

محبت گولیوں سے بو رہے ہو وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو

گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو [۲۱]

فیض بخشاپوری کی شاعری،لفظی ساحری نہیں بل کہ حکمت و مقصدیت سے مملو ہے۔ان کی اولیں حمدیہ غزل وہ شاہ کارِ تخلیق ہے جسے دنیا کے کسی بھی شاہ پارے کے مقابل رکھا جا سکتا ہے۔اس غزل میں انہوں نے چن چن کر فنِ شعر، صنائع بدائع اور شعر گری کے ایسے موتی پروئے کہ پڑھنے والے پر اقبال کی نظم ''مسجدِ قرطبہ'' کی سی سرخوشی طاری ہوتی ہے۔غزل

میں نحوی اعتبار سے حرفِ ربط ''بہ'' کی تکرار سے ایسی مترنم صوتی مرصع کاری کی گئی کہ اسے غیر معمولی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اگر چہ لفظی نگینہ کاری سے غزل خوب صورت ہے مگر معنویت سے بھی اسے اوج کمال تک پہنچایا گیا۔فن کی بلندیوں کو چھوتی ہوئی ان کی ۱۲،اشعار پر مبنی یہ بے مثل غزل ؛ایرانی شاعرہ قراۃ العین طاہرہ کی سات اشعار پر مبنی شہرہ آفاق غزل ''نوائے طاہرہ'' سے مماثلت رکھتی ہے بل کہ اس سے بڑھ کر پُر تغزل نظر آتی ہے۔اگر چہ قراۃ العین طاہرہ کے قافیوں سے ہی اسے لائق صد رشک بنایا گیا لیکن قراۃ العین طاہرہ کی غزل مجاز، جب کہ فیض بخشاپوری کی غزل حقیقت کی ترجمان ہے۔ان دونوں کی غزلیات آمنے سامنے رکھ کر دیکھی جائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرۃ العین طاہرہ اور فیض بخشاپوری ہم سری کرتے نظر آتے ہیں۔قراۃ العین طاہرہ کی غزل ہے:

گر بتُو اُفتدم نظر ، چہرہ بچہرہ ، رُو برُو — شرح دِہم غمِ تُو را ، نکتہ بہ نکتہ ، مُو بمُو
از پئی دِیدن رُخت،ہم چو صبا فتادہ ام — خانہ بخانہ ، در بدر ، کوچہ بہ کوچہ، کُو بکُو
میرود از فراق تُو خُونِ دِل از دو دیدہ ام — دجلہ بدجلہ ،یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ ،جُو بجُو
دُر دہانِ تنگ تُو ، عارض وعنبرین خطت — غُنچہ بہ غُنچہ ،گُل بہ گُل، لالہ بہ لالہ، بُو بہ بُو
ابروِ چشمِ خالِ تُو ، صید نمودہ مُرغِ دِل — طبع بطبع، دِل بدِل ، مِہر بمِہر، خُو بہ خُو
مہر تُو را دِلِ حزیں ، بافتہ بر قماشِ جاں — رشتہ بہ رشتہ،نخ بہ نخ ، تار بہ تار،پُو بہ پُو
در دِلِ خویش طاہرہ گشت و ندید جُز ترا — صفحہ بہ صفحہ ، لا بہ لا، پردہ بہ پردہ ،تُو بہ تُو ۲۲

فیض بخشاپوری کی غزل ہے:

نقش بنقش آئینہ ، حسن وجمالِ خوب رُو — مہر بمہر،مہ بمہ،خلدِ برین جو رنگ وبُو ۲۳
چہرہ بچہرہ،لب بلب،زلف بزلف،مُو بمُو — لالہ بلالہ،گُل بگُل،رنگ برنگ،بُو ببُو
چشم بچشم ، قدبقد، فتنہ بفتنہ، سربسر — شوربشور، شربشر، حشربحشر، ہاوہُو
دیدۂ اشکبار کان شام و سحر روان دوان — دجلہ بدجلہ ،یم بیم ، دریابدریا، جُو بجُو
دشت بدشت بیرُخی ، بحر بحر عاشقی — کوہ بکوہ سرکشی ، شہربشہر آرزُو
پیچ بپیچ ، خم بخم ، سجدہ بسجدہ ، دم بدم — طاعتِ عشق مِ صنم خونِ جگرسان آ وضو
لطف بلطف،خط بخط،کیف بکیف،پئی پئی — شِیر بشِیر، مئی بمئی، شہد بشہد گفتگو
برق ببرق تیزتر ، شعلہ بشعلہ پُر شرر — سوز بسوز،جان بر،شعلۂ حسنِ شعلہ رُو

داربدار ، سربسر ، دام بدام پا بپا چشم بچشم سرمہ سا،زُلف بزُلف مُشک بُو
غیب بغیب لاالٰہ ، ہست بہست الا اللہ پردہ بپردہ جابجا ، جلوہ بجلوہ ، سُوبسُو
درد بدرد ،غم بغم، زہر بزہر ، سم بسم جام بجام ، جم بجم، قندبقند، خُوبخُو
کوچہ بکوچہ ، رہ برہ ، خانہ بخانہ ، دربدر ہاءِ ہیی فیض خستہ ترمجنون آ گویاہوبہُو ص:۲

فیض بخشاپوری کی اقبال کی نظم کے انداز میں غزل ملاحظہ کیجیے۔اقبال فرماتے ہیں:

اگرچہ بُت ہیں جماعت کے آستینوں میں مجھے ہے حکمِ اذاں لاالہ الااللہ [۲۴]

فیض بخشاپوری فرماتے ہیں:

یقینِ نور فشان لاالہ الااللہ حریفِ وہم و گمان لاالہ الااللہ
نقابِ رازِ نہان لاالہ الااللہ حریمِ امن و امان لاالہ الااللہ
نشانِ قبلۂ عرفان و خضرِ گنبدِ عرش کلیدِ قفلِ جنان لاالہ الااللہ
بہارِ گلشنِ روح و ضمیرِ بندۂ حق خزاں بنخل خزان لاالہ الااللہ
بکفر ورطۂ ظلمتِ بدین آبِ حیات متاعِ زیستِ گران لاالہ الااللہ
چراغِ حجرہ یوسف و چشمِ غارِ حرا خدا جو نور عیان لاالہ الااللہ
نمازِ مردِ قلندر ، نیازِ بندۂ حُر مجاہدن جیی اذان لاالہ الااللہ ص:۵

درویش منش فیض بخشاپوری فطرتی طور پر فقر پسند تھے۔وہ فرماتے ہیں:

خوشا شانِ فقیری ، کج کلاہیی رھیو قدمن مِ تاجِ بادشاہیی ص:۵۷

(خوشا شانِ فقیری کج کلاہی، رہے قدموں میں تاجِ بادشاہی)

ان کی شاعری میں تصوف ومعرفت ،عرفانِ الٰہیات، نظارۂ اسرارِذاتِ باصفات و کائنات، رموزِ رسالت،قلبِ سلیم،سرمستیِ شوق،دعااورطلب کے رنگوں کا اظہار ملتا ہے،جیسے:

طفیلِ حضرتِ احمدؐ معاف کر یا رب عذابِ کنجِ لحد و حسابِ روزِ قیام ص:۸

دل کومطلوب ہے اِک داغِ فروزاں مددے
روئے تاباں مددے ، مہرِ درخشاں مددے ص:۱۱۶

ان کے ہاں: کاکل، زلف، شبِ فراق جیسے الفاظ وتراکیب مجازی معنویت کے علاوہ حقیقت اور تصوف کے زمرے میں بھی مستعمل ملتے ہیں۔ اسرارِ حقیقت کا بیان، معرفت اور رب تعالیٰ تک رسائی کی آرزومندی دیکھیے:

ہر ذرہ وحشتِ سر صحرا ہر قطرۂ دیدۂ تر دریا ص:۱۴

بتوں کی فکر میں تیرے خیال تک پہنچے زوال ہو کے الٰہی! کمال تک پہنچے

نگاہ کیا ہے جو پہنچے ضیائے انجم تک نگاہ وہ ہے جو تیرے جمال تک پہنچے ص:۱۳۱

فیض بخشاپوری: یاد اللہ کو خزانۂ قلب گردانتے ہیں اور فلسفیانہ موشگافی کرتے ہیں کہ:

مکانِ دل کا جب سے وہ مکیں ہے مکاں ٹھہرا میرا عرش بریں ہے ص:۱۱۷

شان وحُبِ رسول ﷺ ان کے دل میں موج زن رہتا۔ نعتیہ شاعری میں وہ بہ وسیلہ حضورؐ مدد کی درخواست کرتے ہیں:

پہنچے نہ گردِ راہ کو مہر و مہ و نجوم گردوں پہ جب سواریٔ بدالدجیٰ چلی ص:۱۵۰

فیض درماندہ گدائیست درِ رحمتِ تو یا محمدؐ بمنِ بے سر و ساماں مددے :۱۱۷

زوالِ آدمِ خاکی کو بیان کرکے، اصلاحِ بشر کے متمنی ہیں:

خندہ زن ہم پہ فرشتے ہیں جو کرتے تھے سجود

شانِ آدم مددے، عظمتِ انساں مددے ص:۱۱۷

امتِ مسلمہ کی اپنی خودی سے دست برداری اور کورانہ مغربی تقلید کو وہ ناپسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

شیخ کعبے سے کلیسا کو کھنچا جاتا ہے مدد اے عزمِ جواں، جذبۂ ایماں مددے ص:۱۱۶

فیض بخشاپوری کے کلام میں شیخ سے شوخی و چشمک اور روایتی چھیڑ چھاڑ کا اظہار بھی ملتا ہے:

پیمانہ و سبو و صراحی و میکدہ رندن جو روزگار ساں چا واسطو رہیو؟ ص:۷۳

(پیمانہ وسبو وصراحی ومیکدہ۔ رندوں کو روزگار سے کیا واسطہ رہا؟)

کریں گے شیوۂ رندانہ اختیار کہاں جنابِ شیخ کو رحمت پہ اعتبار کہاں ص:۱۴۲

قیامت میں سب شیخ پکڑے گئے ہیں ہوئے رند سب باریاب اللہ اللہ ص:۱۲۴

طوافِ حرم خانہ بھی گر ہی ہے کہ دل گردِ کوئے بتاں چھوڑ آئے ص:۱۳۰

مینائے یقیں چُور ہے جہل علما سے شیطاں تو ہوا مفت میں بدنام ہے ساقی ص:۱۵۲

فیض بخشاپوری کے ہاں سیاسی تصورات بھی ملتے ہیں۔ جمہوری آقاؤں کے بارے ان کا تصور ہے کہ:

بنے ہیں دورِ جمہوری میں وہ امام جنہیں　　قسم خدا کی اِمامت سے انتساب نہیں ص:۱۴۸

اشتراکی تصورات کا تذکرہ دیکھیے:

یہ شہر و بحر و بیابان و کوہسار و چمن　　برنگ مہر نمایاں ہے محنتِ مزدور ص:۱۵۶

ان کے ہاں ایک کامل انقلاب کا تصور ہے:

ہو انقلابِ زمانہ تو انقلاب کہوں　　یہ انقلابِ شب و روز انقلاب نہیں ص:۱۴۷

سائنسی ارتقا اور روحانیت کا تقابلی تذکرہ دیکھیے:

وہ ارتقائے وجود اور یہ تنزل روح　　گئے قریب فلک کے مگر خدا سے دور ص:۱۵۶

آبِ آتشیں اور رندِ مشربی کا تذکرہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے:

نہ جاے ماہ رو! ہے ماہ باقی، مئے بھی باقی ہے
ابھی تو حوصلے باقی ہیں کیوں گھبرائے جاتے ہیں　ص:۱۱۹

کعبہ و دیر و کلیسا سے مجھے کیا وعظ
رند ہوں رند ، کرو کوئے خرابات کی بات　ص:۱۴۱

فنی طور پر فیض بخشاپوری نے متنوع صنعتِ شعر سے کام لیا۔ محاسن کلام کے اعتبار سے ان کے ہاں صنائع بدائع کے معجز اور شعر گری کی صنعت کے شان دار موتی جا بہ جا بکھرے نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ رنگا رنگ اظہاریے محض اتفاقی نہیں بل کہ یہ ان کی بے پایاں ریاضت اور مشاطگیٔ سخن کا مظہر ہیں۔ علم عمل کے بغیر بے جوہر ہے۔ ایک نظر انداز کردہ ،پس ماندہ اور علمی مراکز سے دور سرزمین پر بسنے کے باوجود ان کی دانش مندی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے علم و دانش کو عمل سے جوڑا۔ فکری طور پر اسے بروئے کار لا کر گلشن شعر کی آب یاری اور نمو و پرداخت کی۔ مجازی رنگ کے حامل ان کے چند اشعار میں تشبیہ، استعارہ، تلمیحات مدرک باقوتِ سامعہ و باصرہ دیکھیے:

تیرے پا زیب کی جھنکار ہے سازِ دمِ عیسیٰ
کہ مُردے گور سے باہر بھی رقصاں پائے جاتے ہیں　ص:۱۱۹

چمکتا ہے ہجوم آرزو میں داغ دل ایسے　　کہ گویا خرمنِ اجناس میں ہے لعل کا دانہ ص:۱۳۴

لبِ غیرت کوثر ہو ، قدِ دشمن طوبیٰ ہو جنت میں کہاں ایسا اے سرو کہ تجھ سا ہو ص:۱۴۳

شیوۂ کوہ کُن و قیس کو پھر تازہ کریں
کوہ و داماں مددے ، دشت و بیاباں مددے ص:۱۱۷

پیکر تراشی کا رنگ دیکھیے:

خورشید جبیں خسروِ خوبانِ جہاں ہے زریں کمراں، سیم براں، لالہ لباں ہے
صحرائے سخن میں جو میرا خامہ رواں ہے گویا کہ سبک گام کوئی پیلِ رواں ہے ص:۱۴۵

صنعت تجنیس تام دیکھیے:

قیامت ہے کہ تا عہدِ قیامت فقط وعدوں پہ ٹرپایا گیا ہوں ص:۱۲۵

صنعت ردالعجز میں گفتہ چند اشعار دیکھیے:

نہ ذکر دیر و کعبہ چھیڑ واعظ یہ کس کافر کو فکرِ کفر و دیں ہے
یہ ہے آئینۂ عارض کا جوہر ہوا جو سبزۂ خط رخ نشیں ہے ص:۱۱۸

فیض بخشاپوری کو سخن ورانِ پاکستان نے 'غالبِ سندھ' کا خطاب عطا کیا، گویا وہ ان کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہوئے۔ کیفیاتِ غزل، حسنِ خیال ونزاکت، معاملہ بندی، فکری بلند پروازی، معنی آفرینی، سخن وری میں فنی مہارت وپختگی اور روانی کی جولانیاں ان کے کلام کا جھومر ہیں۔ صنعتِ تکرارِ لفظی اور صنعتِ تضاد کے چند اشعار دیکھیے جہاں وہ ذاتِ خداوندی تک رسائی کے آرزومند، خاتمۂ ظلم وجبر کے بارے پُر امید اور انسانی اتحاد وامن جیسی اچھائیوں کے پیام بر نظر آتے ہیں:

جہاں، جہاں کے لیے ہے، میرا جہاں تو نہیں
مکاں ہے میرا کہاں ، لا مکاں ملے تو کہوں ص:۱۱۸

خزاں، خزاں تو نہیں ہے، خزاں ہے میری بہار
مِٹا مِٹا کے بنائے خزاں ملے تو کہوں ص:۱۱۹

تکلم رقیبوں سے ، ہم سے گریزاں　　خطاب اللہ اللہ ، حجاب اللہ اللہ
شکستہ امیدیں ، جہاں بے حقیقت　　حباب اللہ اللہ ، سراب اللہ اللہ ص:۱۲۴
وہ وحشی و دیوانہ کہ ہے عقل پریشاں　　آشفتہ سری سے میری،آشفتہ سری سے ص:۱۲۹
مٹے یوں جہاں میں،نہ باقی نشاں ہے　　نہیں ہے نشاں ، یہ نشاں چھوڑآئے ص:۱۳۰

اے چرخِ رخ شوخ عیاں ہو کے رہے گا　　خورشید جہاں تاب نہاں ہو کے رہے گا ص:۱۲۱
برباد کیا ہم کو ، آباد رہو ہر دم　　شکوے کا یہ شکوہ ہے،شکرانے کا شکرانہ ص:۱۴۹

خرد بیگانہ بزمِ صنم ہے　　جنوں انگیز چشمِ سرگیں ہے ص:۱۱۸
چپ رہو ، کہتے ہیں وہ محفل میں　　ہم سے ضبطِ نوا نہیں ہوتا ص:۱۲۳

خردمندو! خردمندی نہیں باہم دگر لڑنا
کبھی لڑتا ہوا دیکھا ہے دیوانے سے دیوانہ ص:۱۳۳

حروف ''س''اور''ش'' کا تکرار دیکھیے:

وہ وحشی و سودائی سر میں جو میرے آئے
وحشت کو بھی وحشت ہو ، سودا کو بھی سودا ہو ص:۱۴۴
دیا ہے ایک دل وہ بھی شکستہ
شکستِ شیوۂ شیشہ گراں ہے ص:۱۳۷

صنعتِ مراۃ النظیر دیکھیے:

آندھیاں،طوفاں،تلاطم،بجلیاں ہیں گھات میں
ہائے! خوراکِ مصائب زندگانی ہو گئی ص:۱۳۵

صنعت لف ونشر کے حامل چند رومانی اشعار جو غالب کی شعری زمین میں کہے گئے،کا رنگ تغزل دیکھیے:

اس چہرہ گل گوں سے جو داغ ہوئے دل میں
گلشن کا یہ گلشن ہے ، ویرانہ کا ویرانہ
کل فیض کو دیکھا تھا ، رو روکے وہ ہنستا تھا
فرزانے کا فرزانہ ، دیوانے کا دیوانہ ص:۱۴۹

خیال آفرینی اور ندرتِ بیان دیکھیے:

خطا کرنے سے پہلے خلد میں آدم نے یہ سوچا
خدا کے حوصلوں کا ہم بھی تو کچھ امتحاں کرلیں ص:۱۳۲
اگر چاہیں الٰہی ! بارشِ اشکِ ندامت سے
تیری آتش فشاں دوزخ کو ہم باغِ جناں کرلیں ص:۱۳۳

منفرد اندازِ کنایہ اور صنعت ایہام دیکھیے:

جو آ کر آفتابِ رخ نے جھانکا روزنِ در سے
فروزاں ہو گیا تھا ہم نشیں! اپنا سیہ خانہ ص:۱۳۴

صیاد نے ڈالا ہے پھر دام نگہ ہم دم زنداں کا یہ زنداں ہے، خُمخانے کا خُمخانہ ص:۱۴۹

فیض بخشا پوری کی شاعری اگر چہ تلازمۂ غزل کی لفظیات کا حامل ہے مگر اس میں بلوچ ماحول کی عکاس لفظیات کا رنگ بھی جھلکتا نظر آتا ہے، جیسے: کارواں، لشکر، غارت گر، تیغ، خنجر، تیر، کمان، صحرا، دشت، بیابان، بجلی، آبلہ پا، مجنوں، آندھی، طوفان، لنگر، صیاد، صیدافگن وغیرہ۔ لفظ ''لشکر'' کا استعمال دیکھیے:

اٹھا صف بستۂ مژگاں کا لشکر زُبانِ خستگاں پر الاماں ہے ص:۱۳۶

مناظرِ فطرت کو اللہ نے دل کش بنایا۔ فیض بخشا پوری بھی مناظر فطرت کے شیدائی نظر آتے ہیں۔ کوئٹہ بلوچستان پر ۱۵ اگست ۱۹۵۹ء کو لکھی گئی ان کی قصیدائی نظم کے چند اشعار دیکھیے:

کیوں کر رہے نہ کوئی ثناخوانِ کوئٹہ رشکِ ارم ہے دوست! گلستانِ کوئٹہ
ہم دوشِ آسماں ہیں پہاڑوں کی چوٹیاں ہے کیا بلند مرتبہ و شانِ کوئٹہ
پُرکیف وادیاں ہیں، جنوں خیز ہے فضا ہے دل نواز موجِ بہارانِ کوئٹہ

تیر اعلاج اے دلِ بیمار کیا کریں　　سمجھتے نہیں ہیں مرض حکیمانِ کوئٹہ ص:۱۵۵

فیض بخشاپوری ایک قادرالکلام اور مشکل گوشاعر ہیں۔ان کی شاعری میں ہجر وفراق کا عمومی تذکرہ ملتا ہے۔تاہم وہ کسی خاص نظریاتی مقصدیت کے پرچارک نہیں۔انہوں نے متنوع اصناف میں شاعری کی۔اُردو میں انہوں نے ایک مرصع سہرالکھا جو مسمّی غلام محمدؐ کا ہے۔اس میں انہوں نے غلام محمدؐ کو ان کے نام کی قابلِ رشک معنویت ونسبت سے محمدؐ کا غلام بیان کیا جس سے ان کا حُبِ رسولؐ آشکار ہے:

روئے تاباں پہ فروزاں ہیں گہر پیوستہ
بن گیا سر پہ یہ آئینۂ خاور سہرا
نسبتِ نامِ مبارک ہو ، محمدؐ کے غلام
اس سعادت کا ہے خوش بخت تیرے سر سہرا
دعویٰ سخن وری حُسن بیانی تھا جنہیں
رہ گئے خامہ بدنداں ، میرا سن کر سہرا ص:۱۵۸

خُمخانۂ فیض میں فیض بخشاپوری کی آخری نظم،نعت نبویﷺ ''صلوعلیہ وآلہٖ'' ہے۔فنی طور پر اس میں جہاں بیدل کی مشہور نعت ''مرحبا،سیدی،مکی ،مدنی ،العربی''[۲۵] کا اسلوبِ بیان جھلکتا ہے،وہاں فکری طور پر اس میں شاعر کا شفاف وروشن باطنی عکس بھی واضح ہوکر جھلملاتا ہے:

یہ عرش قدم گاہِ رسول عربی ہے　　صلی علیٰ چہ منزلِ امی لقمی ہے ص:۱۵۸
جو نورمجسم کو کہے کوئی بشرہے　　مجہولی و ناخواندگی وبولہبی ہے ص:۱۵۹

حواشی وحوالہ جات

۱۔ فیض بخشاپوری،خمخانۂ فیض (مجموعۂ کلام سندھی،اُردو)،جیکب آباد،ڈومبکی ہاؤس،سندھ زمیندار پریس سکھر،۱۹۶۷ء

۲۔ غالب،مرزااسداللہ خان(س ن)دیوانِ غالب،[۱۸۶۲ءطبع چہارم]،لاہور،مشتاق بک کارنر،فیصل مارکیٹ اردو بازار،ص:۱۳۴

۳۔ فیض بخشاپوری''طلوعِ تحریر''[دیباچہ]مشمولہ:خمخانۂ فیض ،محولہ بالا،ص:الف

۴۔ ایضاً،ص:۱۵۴

۵۔ فیض بخشاپوری،کلیاتِ فیض ،جیکب آباد،نوازعلی ڈومبکی نائب صدرغالبِ سندھ فیض بخشاپوری اکیڈمی سندھ،قصرالادب فیض منزل،اسٹیڈیم روڈ،۲۰۱۰ء،ص:۸۴۷

۶۔ ایضاً،ص:۸۵۰

۷۔ معروف مؤرخ رائے بہادرلالہ ہتورام نے جب ۱۹۰۷ء میں اپنی ضخیم تصنیف تاریخِ بلوچستان وکٹوریہ پریس لاہور سے شائع کرائی تو اس میں انہوں نے بلوچی دفتر کا اس انداز میں تذکرہ کیا:

''بعدرند کے بلوچون مین ڈومبکی ،دوسراخاندان سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ میرچاکر سے اس خاندان مین دفتر بلوچون کا چلاآتا ہے۔وڈیرہ سہراب خان تمندارڈومبکی [مسکن لاہڑی] سے جوکتاب دستیاب ہوئی اُس کومفصل ذیل میں درج کیاجاویگا۔''ص:۶۲

اور پھرانہوں نے وہ فارسی نوشتہ دفتر (مخطوطہ) اپنی تصنیف میں صفحہ ۶۳ تا ۷۴ شامل کیا۔

۸۔ بلوچی مثل۔مخطوطہ نمبر۱۰۸(۱۹۹۰ء)،مملوکہ:بلوچی تحقیق مرکز دیراغازی خان، پاکستان،ص:۲۳

۹۔ ایضاً،ص:۲۳

۱۰۔ بشیر بلوچ (۱۹۶۴ء/۲۰۰۶ء) دُرچین جام دُرّک ڈومبکی ،طبع دوم،کوئٹہ،بلوچی اکیڈمی،ص:۲۶

۱۱۔ فیض بخشاپوری،خمخانۂ فیض،محولہ بالا،ص:۱۳۸

۱۲۔ ایضاً،ص:۱۱۹

۱۳۔ ایضاً،ص:۱۲۱

۱۴۔ متن مضمون میں اشعار کے بعد صفحہ کا مخفف (ص)،اس کے بعد رابطہ(:)اور پھر ہندسہ،''خمخانۂ فیض'' کے محولہ صفحات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

15. https://www.google.com.pk/search?q=bar+maza+e+ma_Ghareebaan

۱۶۔ رفیع سودا،مرزا(۱۹۳۲ء) کلیات سودا،جلداول،لکھنو،مطبع نامی گرامی نول کشور،ص:۱۹۹

۱۷۔ مومن خان مومن،محمد(جولائی ۱۹۶۴ء) کلیاتِ مومن جلداول،لاہور،مجلس ترقی ادب،نرسنگھ داس گارڈن، کلب روڈ،ص:۶۱

۱۸۔ غالب،مرزااسداللہ خان(س ن)،دیوانِ غالب،محولہ بالا،ص:۱۱۱

۱۹۔ ایضاً،ص:۳۹

۲۰۔ داغ کی غزل: آرزو ہے وفا کرے کوئی

https://rekhta.org/ghazals/aarzuu-hai-vafaa-kare-koii-dagh-dehlvi-ghazals

۲۱۔ حبیب جالب (۱۹۹۳ء) کلیاتِ حبیب جالب، لاہور، ماورا پبلشرز ۳۔ بہاول پور روڈ، ص:۲۱۸۔

22.https://www.google.com.pk/search?q=qurat+ul+ain+tahira+persian+poetry

۲۳۔ جو: سا۔کان: کہ وہ۔مِ: میں۔مئیں بمئیں: (بلوچی) (نیم دہی، نیم چھاچھ)۔سان آ: سے ہے۔ہاءِ ہیی: ہائے یہ۔آ ہے:۔

۲۴۔ اقبال، علامہ ڈاکٹر محمدؒ (جنوری ۱۹۹۲ء) ضرب کلیم، طبع دوم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، ص:۱۵

۲۵۔ بیدل مرزا عبدالقادر: (تاہم بعض حضرات، اس نعت کو، جان محمد قدسی سے منسوب کرتے ہیں۔)

https://www.google.com.pk/search?q=mahaba%2C+sayadi+maki+madni+al+arbi&